اقبال اور احیائے اسلام

رفیع الدین ہاشمی

احیائے اسلام یا اسلامی نشاۃ ثانیہ جیسے الفاظ کثرت استعمال سے بہت عام ہوگئے ہیں۔ فاضل مضمون نگار نے بھی اس مضمون میں ان دو لفظوں کو جابجا استعمال کیا ہے۔ احیاء حیات سے بنا ہے، اس کے معنی ہیں زندہ کرنا۔ اسلام مرا نہیں کہ اسے زندہ کیا جائے۔ اسی طرح نشاۃ ثانیہ کا تصور بھی اغیار سے مستعار ہے اور اسلام کے ساتھ اس کی نسبت صحیح نہیں۔ انگریزی اصطلاحات اور مغربی تصورات کے زیر اثر ہم نے بہت سی ایسی باتیں اپنا لی ہیں جو ہمارے لئے درست نہیں ہو سکتیں۔ ان سے احتراز کیا جائے تو بہتر ہے۔

غلطیہائے مضامین مت پوچھ　　لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

مسلمانوں کو اپنی گفتگو خاص کر دینی مباحث میں فقط اسلام کے مستند الفاظ اور مصطلحات کو ہی استعمال کرنا چاہئے اور اس استناد میں بنیاد قرآن و حدیث کو بنانا چاہئیے۔ ورنہ ہم اپنی اصل سے بہت دور ہو جائیں گے۔ (مدیر)

انبیاء علیہم السلام کی تمام تر جدوجہد کی غایت یہی تھی کہ بنی نوع انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ بعثت نبوی کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان اقیموا الدین اور لیظھرہ علی الدین کلہ کا عملی مظاہرہ کیا جائے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہالت و جاہلیت کے تمام طور طریقے ختم کرکے اپنے پیروکاروں کے اندر ایک انقلاب برپا کیا جس سے ان کی کایا پلٹ گئی۔ آپ نے زندگی کے تمام شعبوں کو اسلامی قوانین و

اخلاقیات کے مطابق مرتب و منظم کیا جس کے نتیجہ میں آپ کا برپا کردہ انقلاب بساط عالم پر ایک زبردست سیاسی قوت بن کر ابھرا اور مشرق و مغرب کے باطل پرستوں کے لئے ایک چیلنج بن گیا۔

مگر خلفاء راشدین کے آخری زمانے میں مختلف علاقوں کی فتوحات اور اس کے نتیجے میں کثرت اموال اور تمدنی ترقی سے جاھلیت کی روح پھر سے بیدار ہونے لگی، اسلامی انقلاب کے مقاصد نظروں سے اوجھل ہوتے گئے اور نظم حکومت غیر اسلامی بنیادوں پر استوار ہونا شروع ہوا۔ چنانچہ مصلحین امت کو اصلاح احوال کی فکر دامن گیر ہوئی — خلفائے راشدین کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز پہلے شخص ھیں جنھوں نے حقیقی معنوں میں غلبہ دین اور احیائے اسلام کی سنجیدہ کوشش کی۔ بعد کے اکابر ملت اس کوشش کو آگے بڑھاتے رہے۔ فی الحقیقت اقامت دین اور احیائے اسلام کا مقصد عظیم، ھمیشہ سے مسلم اکابر کے پیش نظر رہا۔ اس ضمن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد امام احمد بن حنبل، امام غزالی، شیخ احمد سرھندی، مجدد الف ثانی، اورنگ‌زیب عالمگیر، شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید، شاہ اسمعیل شہید اور بہت سے دوسرے اکابر کی مختلف‌النوع تجدیدی کاوشیں، تاریخ احیائے اسلام کے روشن ابواب ھیں۔ بیسویں صدی میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لئے جن اکابر نے کام کیا، ان میں علامہ اقبال کا نام بہت نمایاں ھے اور اس ضمن میں ان کی مساعی تاریخ احیائے اسلام کا ایک روشن باب ھیں۔

علامہ اقبال کے مستحکم اسلامی رجحان اور دینی مزاج کی تشکیل میں ان کے آباء و اجداد کے متصوفانہ رجحانات، والدین کی دین‌داری، گھر کا اخلاقی ماحول اور علامہ سید میر حسن کی تعلیم و تربیت اور فیضان نظر کے علاوہ دو باتوں کو بنیادی اھمیت حاصل ھے — اول: قرآن حکیم سے ان کا گھرا شغف — دوم:

آں حضور کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت ـــ احیائے اسلام کے لئے علامہ اقبال نے جو مختلف النوع کوششیں کیں وہ ان کے اس دینی مزاج کا حصہ تھیں جو متذکرہ بالا عوامل و اثرات کی بنا پر مرتب ہوا تھا۔

علامہ اقبال نے شعور کی آنکھ کھولی تو پورا عالم اسلام نہایت ھی پیچیدہ مسائل کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ فکری اور سیاسی دونوں اعتبار سے مغرب اس پر حاوی ہو چکا تھا۔ بیشتر اسلامی ممالک مغربی سامراج کے محکوم تھے۔ غلامی کے سبب وہ جمود، تعصب اور تنگ نظری کا شکار تھے۔ بر صغیر کے مسلمانوں کی حالت اور بھی دگر گوں تھی۔ ایک زوال پذیر معاشرہ کی طرح، ان کے جسد اجتماعی کو بے خبری، کور ذوقی، باھمی مناقشت تن آسانی اور بے عملی کا گھن لگ چکا تھا۔ خواری اور زبوں حالی کے اس رد عمل میں جو آوازیں بلند ہوئیں ان میں سب سے توانا، بلند اور زیادہ موثر آواز علامہ اقبال کی تھی۔ انھوں نے اپنی نثری اور شعری کاوشوں کے ذریعے مسلم خوابیدہ کو، بیدار ہو کر غلامی کی زنجیریں توڑنے کی تلقین کی۔ مقصود یہ تھا کہ غلامی سے نجات، احیائے اسلام کی تمہید بن سکے۔

احیائے اسلام کی تمنا بالکل ابتدائی زمانے ھی سے ان کے ھاں موجود تھی۔ اظہار کی صورت تبدیل ہوتی رھی مگر بذات خود یہ تمنا کبھی سرد نہیں ہوئی بلکہ عمر کے ساتھ اس جذبہ کی حرارت و شدت میں اضافہ ہوتا گیا ـــ تجدید و احیائے دین کے لئے اقبال کی مختلف النوع کاوشیں ان کی طویل زندگی میں مختلف سطحوں پر سامنے آتی رھیں۔ ان ھمہ جہت کوششوں کو محض کسی ایک زاویے سے دیکھنا، علامہ کی ھمہ گیر مساعی سے بے انصافی کے مترادف ہوگا۔ ان کی پوری شاعری، ان کی تمام نثری تحریریں، ان کا پورا نظام فکر و فلسفہ، ان کے جملہ تصورات

و نظریات، مثلاً خودی، بے خودی، فقر، عشق، مرد مومن، عقل وغیرہ، نہایت قریبی اور گہرے طور پر احیائے اسلام کے لئے ان کی مساعی کے ساتھ مربوط ہیں۔

کسی نظریہ کو عملاً بروئے کار لانے کے لئے اس پر ایمان محکم اولین اور بنیادی شرط ہے۔ ایمان و ایقان کے بغیر ایک عظیم مقصد کے لئے کسی کاوش کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ اقبال بیسویں صدی میں احیائے اسلام کی جدوجہد میں ایک نمایاں علامت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلام کی سر بلندی کے لئے ان کے بے تاب جذبوں اور مضطرب تمناؤں کا راز اس امر میں پوشیدہ ہے کہ انہیں اسلام کی حقانیت کے ساتھ، اسلام کے روشن مستقبل پر بھی کامل یقین تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں عالم اسلام کے مایوس کن حالات کے پس منظر میں، اقبال کی طرف سے غلبہ اسلام کی یہ نوید :

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش　　اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار　　نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہوجائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود　　پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

دیوانے کا ایک خواب معلوم ہوتی تھی یا محض ایک شاعرانہ تعلی — مگر عالمگیر اسلامی انقلاب پر اقبال کو کامل یقین تھا جس کا واشگاف اظہار انھوں نے نثر میں بھی کئی جگہ کیا ہے :- مثلاً :

”اسلام ایک عالمگیر سلطنت کا یقیناً منتظر ہے جو نسلی امتیازات سے بالا تر ہوگی اور جس میں شخصی اور مطلق العنان بادشاہتوں اور سرمایہ

داروں کی گنجائش نہ ہوگی۔ دنیا کا تجربہ خود ایسی سلطنت پیدا کر دے گا۔ غیر مسلموں کی نگاہ میں شاید یہ محض خواب ہو لیکن مسلمانوں کا یہ ایمان ہے،، (۱)

ایک اور موقع پر فرمایا :

،،اس وقت جو قوتیں دنیا میں کارفرما ہیں، ان میں سے اکثر اسلام کے خلاف کام کررہی ہیں لیکن لیظهره علی الدین کله کے دعوے پر میرا ایمان ہے کہ انجام کار اسلام کی قوتیں کامیاب اور فائز ہوں گی،، (۲)

اسلام کے مستقبل پر یہ گہرا اعتماد، اسلام کے ضمن میں علامہ اقبال کی کاوشوں اور بحیثیت مجموعی ان کے فکر کے مطالعے میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ احیائے اسلام کے لئے علامہ اقبال کے مجموعی کام کو تین دائروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

۱ ۔ فرد کی تعمیر سیرت

۲ ۔ فکری اور علمی کاوشیں

۳ ۔ پاکستان کا تصور اور اس کے لئے عملی جدو جہد

(۱)

علامہ اقبال نے تاریخ عالم کے مطالع سے بجاطور پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب تک فرد اپنے اخلاق و اطوار اور سیرت و کردار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا، معاشرے میں کسی بڑے انقلاب کی توقع عبث ہے۔ اقبال کے الفاظ میں : ،،دنیا میں کسی قوم کی اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس قوم کے افراد اپنی ذاتی اصلاح کی طرف توجہ نہ کریں،،(۳)— فرد کا کردار قومی ترقی میں کیا حیثیت رکھتا ہے ؟علامہ کہتے ہیں:(۴) Character is a Kind of Energy

اور— ''کردار ھی وہ غیر مرئی قوت ہے جس سے قوموں کے مقدر متعین ہوتے ھیں،،(٥) — مسلمان مجموعی اعتبار سے اخلاقی انحطاط کا شکار تھے - انھیں اس پستی سے نکالنے کے لئے اقبال ان کی اخلاقی تربیت کی طرف متوجه ہوئے - ان کا خیال تھا که اخلاقی تربیت کے لئے : ''مذھب بے حد ضروری چیز ہے،،(٦)ھماری زندگیوں پر مذھب کی مضبوط گرفت ضروری ہے - یه ھمیں بھٹکنے اور گمراہ ہونے سے بچاتی ہے - اگر : ''یه گرفت ڈھیلی پڑی تو ھم کہیں کے نه رھیں گے - شاید ھمارا انجام وھی ھو جو یہودیوں کا ھوا،،(۷) زندگی میں مذھب کی اسی اھمیت اور معنویت کی بنا پر گوئٹے کے اس قول : Art is Still Truth, take Refuge there

میں تصرف (Art کی جگه Religion) کے بعد وہ اس بات کے قائل تھے که مذھب ھی ھماری راھنمائی اور دستگیری کرتا ہے - ایک مسلمان مذھب پر عمل پیرا ہونا چاھے تو قرآن حکیم اس کے لئے مشعل راہ ثابت ھو سکتا ہے - انسانی کردار کی تعمیر میں بھی قرآن حکیم زبردست معاونت کرتا ہے :

قرآن میں ھو غوطه زن اے مرد مسلمان
الله کرے تجھ کو عطا جدت کردار

ایک بار چند نوجوانوں سے مخاطب ھو کر کہا :

''یاد رکھوں مسلمانوں کے لئے جائے پناہ صرف قرآن کریم ہے - - - میں اس گھر کو صد ھزار تحسین کے قابل سمجھتا ھوں جس گھر سے علی الصبح تلاوت قرآن مجید کی آواز آئے،، (۸)

مگر اس کے ساتھ ھی یه نصیحت بھی کی که :

''قرآن مجید کا صرف مطالعه ھی نه کیا کرو بلکه اس کو سمجھنے کی کوشش کرو،،(۹)

قرآنی تعلیمات کے حوالے سے اقبال کا مطالبہ یہ ہے کہ فرد کو ارکان اسلام کی پابندی کرنی چاہئے کیونکہ کسی قوم کی تشکیل و تعمیر کے لئے ارکان خمسہ کی پابندی ضروری ہے(۱۰) فرائض سے آگے بڑھ کر نوافل شب بیداری اور خاص طور پر تہجد کے اہتمام سے عبادت الٰہی کی حقیقی لذت نصیب ہوتی ہے(۱۱) یہی عبادت مسلمان کے اندر اخلاق فاضلہ کا موجب بنتی ہے — علامہ اقبال قرآن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اسوہ حسنہ میں اعلائے کلمۃ الحق کو ایک نمایاں اور روشن باب کی حیثیت حاصل ہے۔ اقبال کے نزدیک ایک حقیقی مسلمان کلمہ حق کا اعلان و اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا مگر سچائی کا اظہار اسی وقت ممکن ہے جب فرد کے اندر خود اعتمادی موجود ہو۔ اقبال کے فلسفہ خودی کا پس منظر یہی ہے — مسلمانوں کے سامنے خودی کی حقیقت واضح کرنے اور اس کی نشوونما اور تربیت و استحکام پر زور دینے کے ساتھ مسلمانوں کو عملی زندگی میں خودشناسی سے کام لینے کی تاکید کی۔ اس سلسلہ میں عشق اور فقر نہایت موثر اور کارگر ہتھیار ثابت ہو سکتے ہیں۔ جذبہ عشق میں غیر معمولی قوت پنہاں ہے۔ فقر کی لازوال دولت بھی عشق سے کم اہم نہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت اس قوم کا راستہ نہیں روک سکتی جس کو یہ دونوں قوتیں حاصل ہو جائیں :

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور

علامہ اقبال، احیائے اسلام کے لئے جس انقلاب کے داعی ہیں، اسے برپا کرنے کے لئے خودی، فقر اور عشق سے متصف ہونا ضروری ہے۔ فرد کے اندر یہ صفات پیدا ہو جائیں تو وہ ”مرد مومن“ کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ احیائے اسلام کے سلسلے میں مرد مومن کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

امت مسلمہ کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو احساس ہوتا ہے کہ اسلام کے ضعف کا بہت بڑا سبب امت کے اندر مذہبی جھگڑے، فروعی مسائل پر شدید اختلافات، معمولی مسائل پر باہمی دشمنیاں اور مجموعی طور پر انتشار و افتراق کی وہ افسوس ناک صورت حال رہی جس نے اس قوم کو امت واحدہ کے طور پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننے سے روکے رکھا — اس صورت حال کا ایک اہم پہلو علمائے سوء اور شریعت بیزار صوفیا کا غلط رویہ تھا — علامہ اقبال غیر اسلامی تصوف کو خاص طور پر خرابی احوال کا ذمہ دار گر دانتے ہیں۔ ان کے خیال میں ''تصوف کا وجود ہی سر زمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے،،(۱۲) علمائےسوء اور اہل تصوف کے متعلق اقبال کے جذبات بہت شدید ہیں۔ اس طبقے پر علامہ کی تنقید کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے مقام و مرتبے کو پہچانیں اور حضور پاک کے فرمان : العلماء ورثۃ الانبیاء کے مطابق اپنے اندر وہی اخلاق عالیہ، وہی صداقت شعاری اور وہی اسلامی اقدار پیدا کریں جو انبیاء کا اسوہ ہے۔

دوسرا طبقہ جس سے اقبال بطور خاص مخاطب ہوئے، نوجوانوں کا طبقہ تھا۔ اقبال کی دانش و بینش سے یہ امر پوشیدہ نہ تھا کہ نوجوانوں کی اعانت و تائید کے بغیر معاشرے میں کسی انقلاب کا تصور بے معنی ہے خاص طور پر احیائے اسلام کی تحریک میں کامیابی کا انحصار بڑی حد تک نوجوان طبقے پر ہے۔ خود آنحضور کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں اولیت کا شرف نوجوان طبقے کو حاصل ہوا۔ چنانچہ وہ مسلم نوجوانوں کو تن آسانی اور عیش پسندی کے بجائے جفا کشی، محنت اور سخت کوشی کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں شاہین کا استعارہ مسلم نوجوان کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جب وہ کہتے ہیں۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

اور :

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا — پردم ہے اگر تو، تو نہیں خطرہ افتاد

تو ستاروں پر کمند ڈالنے والا نوجوان اور ان تھک پرواز کرنے والا شاہین، ایک ہی کردار کی دو علامتیں ہیں اور یہ کردار مسلم نوجوان ہے ۔ نوجوانوں کے لئے اقبال کے اضطراب اور درد مندی کا اظہار جس والہانہ خلوص کے ساتھ دور آخر کے کلام میں ہوا ہے ۔ وہ ان کے بے تاب جذبوں کی سچی تصویر ہے ۔

اس طرح احیائے اسلام کے سلسلے میں اولین سطح پر علامہ اقبال نے فرد کی انفرادی اصلاح اور اس کی تعمیر سیرت پر زور دیا اور معاشرے کے دو اہم طبقوں یعنی مذہبی رہنماؤں اور نوجوانوں کو اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک میں اپنا مثبت، موثر اور فیصلہ کن کردار ادا کرنے پر زور دیا ۔

(۲)

احیائے اسلام کے لئے فکری اور علمی سطح پر عالم اسلام کی فضا کو ساز گار بنانے میں علامہ اقبال کا رول اہم ہے ۔ مسلمان انگریزوں کی سیاسی غلامی کے ساتھ ذہنی اور فطری اعتبار سے بھی مغرب سے مغلوب ہو چکے تھے اس کے نتیجہ میں ۔ اول : وہ نیشنلزم کے سراب کا شکار تھے ۔ دوم : دین و دنیا کی علیحدگی کا تصور ان میں جڑ پکڑ چکا تھا ۔ سوم : مغربی تہذیب سے مرعوبیت نے ان کے ذہن و فکر کو مفلوج کر دیا تھا — علامہ اقبال نے ان تینوں رجحانات پر کاری ضرب لگائی ۔

اپنے فکری سفر کے آغاز میں اقبال خود بھی قوم پرست تھے مگر یورپ کو قریب سے دیکھنے پر انہیں نیشنلزم کے کھوکلے پن کا احساس ہوا ۔ لکھتے ہیں :

"اس زمانے میں سب سے بڑا دشمن اسلام اور اسلامیوں کا نسلی امتیاز و ملکی قومیت کا خیال ہے۔ پندرہ برس ہوئے جب میں نے پہلے پہل اس کا احساس کیا۔ اس وقت میں یورپ میں تھا۔ اور اس احساس نے میرے خیالات میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی آب و ہوا نے مجھے مسلمان کر دیا"، (۱۳)

وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے اندر اس تصور کی اشاعت کا مقصد ان کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنا ہے:

"مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی پارہ پارہ کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے"، (۱۴)

اسی بنا پر عرب قوم پرستی کا فتنہ پروان چڑھا، ترکی میں تورانیت کا غلغلہ اٹھا اور سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ بکھر گیا۔ علامہ کے نزدیک: "قومیت کا مغربی تخیل ایک روحانی بیماری ہے"، (۱۵)۔ انھوں نے اس بیماری کے خلاف بھر پور جہاد کیا۔ اقبال کے نزدیک انسانی اشتراک کا سب سے قوی رابطہ انسانی عقیدہ یا نظریہ ہے۔ چنانچہ دنیا بھر کے کلمہ گو ایک قوم اور ایک ملت ہیں کہ ان کے درمیان سب سے زیادہ مضبوط رشتہ کلمہ توحید کا ہے۔ اسی بنیاد پر انہوں نے مغربی قومیت کے باطل تصور کو یکسر رد کر کے مسلمانوں کے تصور ملت کی بازیافت کی:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ملت کے اس تصور نے آگے چل کر حضرت علامہ کے ہاں اتحاد عالم اسلامی کی شکل اختیار کی:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

مسلمانوں کے فکری و ذہنی انحطاط کا دوسرا نمایاں پہلو ان کا تصور دین تھا۔ شہنشاہیت نے اہل مذہب کو مساجد تک محدود کردیا اور سیاست کی باگ ڈور خود سنبھال لی۔ دین و سیاست میں بعد پیدا ہوا اور دونوں کو ایک دوسرے سے کلیتاً الگ سمجھا جانے لگا۔ اقبال کے نزدیک: ''از روئے شریعت محمدیہ مذہب و سیاست میں کوئی تفریق نہیں،،(۱۶)۔ مزید برآں: ''اسلام بحیثیت مذہب کے دین و سیاست کا جامع ہے۔ یہاں تک کہ ایک پہلو کو دوسرے پہلو سے جدا کرنا حقائق اسلامیہ کا خون کرنا ہے،،(۱۷)۔ انھوں نے دین و سیاست کی علیحدگی پر سخت تنقید کی کیونکہ اس کا نتیجہ ہمیشہ خوں‌ریزی اور عالمگیر تباہی کی شکل میں نکلتا ہے:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

درحقیقت احیائے اسلام کی تحریک میں کسی طرح کی پیش رفت اس کے بغیر ممکن ہی نہ تھی کہ دین کے محدود تصور کی نفی کرکے اس کا ایسا جامع تر تصور پیش کیا جائے۔ جو نہ صرف سیاست بلکہ معیشت، تعلیم، عمرانیات، قانون غرض زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہو۔

نیشنلزم اور دین کے اس محدود تصور کے بعد اسلامی نشاۃ ثانیہ کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ مغرب سے ذہنی مرعوبیت تھی۔ خصوصاً جدید تعلیم یافتہ

مسلمانوں کے ذہن تہذیب حاضر اور علوم جدیدہ کی چکاچوند سے سخت مرعوب تھے۔ علامہ اقبال مغرب اور مغربیت کا بذات خود مشاہدہ کر چکے تھے اس لئے انھوں نے نہایت واشگاف الفاظ میں اس کے کھوکلے پن کو بے نقاب کیا:

آہ یورپ با فروغ تابناک نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوے خاک

یورپ میں بہت روشنئی علم و ہنر ہے حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیوان ہے یہ ظلمات

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

یہاں اس امر کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ فکر مغرب کے جو ثمرات خبیثہ جمہوریت، سوشلزم اور سرمایہ داری کی شکل میں دنیا کے سامنے ظہور پذیر ہوئے، اقبال نے ان سب باطل نظریات کو بہرطور ناقابل قبول قرار دیا۔ مغربی جمہوریت کو، جس کی بنیاد مادر پدر آزادی ہے، انھوں نے رد کر دیا۔

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
که از مغز دو صد خر فکر انسانی نمے آید

سوشلزم (اشتراکیت) کے بارے میں ان کے خیالات میں ایک ارتقا ملتا ہے۔ شروع میں اقبال نے روسی انقلاب کو مستحسن قرار دیا کیونکہ وہ مظلوموں کا حامی بن کر سامنے آیا تھا مگر بہت جلد اس کا اصلی چہرہ بے نقاب ہو گیا۔ چنانچہ اقبال نے اس سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے تاریخ کی مادی تعبیر کو سراسر غلط قرار دیا(۱۸)۔ مجموعی طور پر مغربی فکر اور سیاست کے بارے میں علامہ اقبال کا یکم جنوری ۱۹۳۸ء کا ریڈیائی پیغام، ایک جامع تبصرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ فی الحقیقت انھوں نے جس طرح تہذیب مغرب پر شدید تنقید کی، واشگاف الفاظ میں اسے چیلینج دیا اور جس دانش مندانہ بصیرت کے ساتھ اس کی تباہی کی پیش گوئی کی، برصغیر کی فکری تاریخ میں یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے — مغربی افکار، فلسفے اوز مادہ پرستی پر انھوں نے چوٹ لگائی۔ اس کے نتیجہ میں

تعلیم یافتہ مسلمانوں میں مغرب سے مرعوبیت ختم ہونے لگی اور احیائے اسلام کے لئے فضا اور سازگار ہوگئی۔ مغرب زدہ طبقہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اسلام محض ملا کا مذہب نہیں، ایک کامل دین ہے جو عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کرنے اور جملہ مسائل و معاملات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تاہم علامہ اقبال کو اس امر کا بھی شدید احساس تھا کہ عصر حاضر کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے مذہبی علماء اجتہاد کی اہمیت سے غافل ہو چکے تھے۔ احیائے اسلام کے ضمن میں فکری سطح پر علامہ اقبال کی مثبت عطا یہ ہے کہ انہوں نے اجتہاد کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کیا۔ ان کے انگریزی خطبات میں چھٹا خطبہ ''الاجتہاد فی اسلام'' کے موضوع پر ہے۔ اس سلسلے میں ایک بار فرمایا :

''آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے جس میں زندگی کے ان سینکڑوں ہزاروں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا گیا ہو جن کو دنیا کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی سیاسی، معاشی اور سماجی احوال و ظروف نے پیدا کر دیا ہے'' (۱۹)

علامہ کے ہاں ''اجتہاد'' پر یہ زور مسلم علماء کے اندر صدیوں کے فقہی جمود کے خلاف ایک رد عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس رد عمل کا ایک مثبت پہلو، اقبال کا یہ احساس ہے کہ عصر حاضر کی مقتضیات و مسائل کی روشنی میں اسلامی فقہ کی از سر نو ترتیب و تشکیل کی ضرورت ہے۔ ابتدا میں اقبال نے خود اس کام کا آغاز کیا لیکن پھر یہ نازک ذمہ داری کسی روشن دماغ عالم کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے متعدد علماء سے رابطہ قائم کیا مگر بات نہ بن سکی۔ وفات سے چند ماہ پہلے خواجہ غلام السیدین کو لکھا :

''اسلامی اصول فقه کے متعلق ایک کتاب لکھنے کا ارادہ تھا لیکن اب یہ امید موہوم معلوم ہوتی ہے،،(۲۰)

بدقسمتی سے یہ منصوبہ بھی، اقبال کے بہت سے دوسرے علمی منصوبوں کی طرح بروئے کار نہ آسکا۔

علمی منصوبوں کی تکمیل کے سلسلے میں علامہ اقبال کی خواہش تھی کہ کوئی اجتماعی کوشش بھی ہونی چاہئے۔ مختلف اوقات میں علامہ نے سید سلیمان ندوی، مولانا شبلی نعمانی اور سید انور شاہ کاشمیری کو پنجاب منتقل ہونے کی دعوت دی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پٹھان کوٹ کا ادارہ دارالاسلام اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:

''مدت دراز سے علامہ کے دماغ میں یہ تجویز گردش کر رہی تھی کہ ایک علمی مرکز قائم کیا جائے جہاں دینی و دنیاوی علوم کے ماہرین جمع کئے جائیں اور ان ماہرین کو خورد و نوش کی فکر سے بالکل آزاد کردیا جائے تاکہ وہ ایک گوشے میں بیٹھ کر علامہ کے نصب‌العین کے مطابق اسلام، تاریخ اسلام، تمدن اسلام، ثقافت اسلامی اور شرع اسلام کے متعلق ایسی کتابیں لکھیں جو آج کل کی دنیا کے فکر میں انقلاب پیدا کردیں،، (۲۱)

حسن اتفاق سے پٹھان کوٹ (ضلع گورداس پور) کے ایک مخیر مسلمان چودھری نیاز علی نے اس مجوزہ مرکز کے لئے زمین وقف کردی۔ اس ادارے نے ''دارالاسلام،، کی شکل اختیار کی اور مولانا سید ابوالاعلی مودودی علامہ اقبال کے ایما پر دکن سے یہاں آگئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ ہر سال چند ماہ وہاں آکر قیام کیا کریں گے مگر افسوس کہ وہ جلد ہی خالق حقیقی سے جا ملے — اس میں شبہہ نہیں کہ اس

ادارے نے قابل قدر خدمات انجام دیں جس نے آگے چل کر احیائے اسلام کے لئے ایک عملی تحریک کی صورت اختیار کی —

(۳)

ہندوستان میں ایک علیحدہ اسلامی ریاست (جسے بعد میں پاکستان کا نام دیا گیا) کا تصور اور اس کے حصول و قیام کے لئے عملی کوششیں، احیائے اسلام کے لئے اقبال کی مساعی میں آخری سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

علامہ اقبال نے مغرب کے نظریہ قوم پرستی کو رد کرکے اسلام کے تصور ملت کو اجاگر کیا اور اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کا بھی واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ اسلام فرد کا پرائیویٹ مسئلہ نہیں بلکہ وہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ ایکہ مکمل ضابطہ حیات ہونے کے ناطے وہ حیات و کائنات کے کسی معمولی مسئلے کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ اس اعتبار سے سیاست و ریاست کے معاملات بھی مسلمان کے لئے اتنے ہی اہم ہوگئے جتنے مذہب، شریعت اور دین کے مسائل۔ سیاست سے علامہ کی دلچسپی اس لیے تھی کہ اول : ہندوستان آزاد ہو اور دوم : یہاں اسلامی حکومت قائم ہو — ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کی حیثیت سے اسلام ہمیشہ اس امر کا متقاضی رہا (اور ہے) کہ اسے زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ و رائج کیا جائے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ان اقیموا الدین کا مفہوم یہی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کا اسوہ حسنہ شاہد ہے کہ سیاست و قوت کے بغیر اقامت دین ممکن نہیں۔ اقبال کا معروف شعر :

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اسی نکتے کی شعری تفسیر ہے۔ ان کے خیال میں باطل کی بیخ کنی بھی قوت کے ذریعہ ہی ممکن ہے :

تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم گذر اس عہد میں ممکن نہیں بےچوبِ کلیم

اسی سلسلے میں ان کا یہ قول لائقِ توجہ ہے:

''مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اشاعتِ حق کے پیچھے طاقت کی حمایت ہونی چاہئے ورنہ بغیر طاقت کے امر و نہی کیسے ممکن ہے۔ اگر مسلمان امر و نہی کے فرائض ادا کرنا چاہتے ہیں تو ان کے بازوؤں میں طاقت ہونا ضروری ہے'' (۲۲)

حمایتِ حق، شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ اور اقامتِ دین کے لئے جس قوت کی ضرورت ہے ظاہر ہے وہ سیاسی اقتدار ہے۔ مگر برطانوی سامراج کی غلامی میں فوری طور پر اقتدار کا حصول ایک امرِ محال سے کم نہ تھا۔ تاہم اقبال نے مسلمانوں کے اندر سیاسی شعور کی بیداری پر پوری توجہ کی۔ اپنے مخصوص افتادِ طبع کی بنا پر ایک سیاسی لیڈر کی سی تندہی، مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ تو وہ سیاسی عمل میں حصہ نہ لے سکتے تھے تاہم آزادی سے متعلق کوئی معاملہ ہو یا مسلمانوں کا کوئی مخصوص مسئلہ وہ ہمیشہ ہند مسلم سیاست سے وابستہ رہے۔ مجلس قانون ساز پنجاب کی رکنیت (۱۹۲۶ء تا ۱۹۲۹ء) کا محرک محض قومی خدمت کا جذبہ تھا۔ ان تین برسوں میں انہوں نے مجلس میں مسلمانوں کی بھرپور وکالت کی۔ سیاسی سطح پر اقبال کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی علیحدہ قومیت پر زور دیا اور مخلوط انتخاب کی مخالفت کی۔ مسلمانوں کے جداگانہ ملی تشخص کی خاطر جداگانہ اصولِ انتخاب پر اقبال کا اصرار آگے چل کر ایک جداگانہ اسلامی ریاست کے تصور کی شکل میں سامنے آیا — اقبال کی خداداد بصیرت نے دیکھ لیا تھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کے دن گنے جا چکے ہیں اور ان کے رخصت ہونے کے بعد، اصولِ جمہوریت کے تحت ہندوستان کا اقتدار ہندوؤں کو

منتقل ہو جائے گا۔ اس صورت میں احیائے اسلام تو کجا، ہندی مسلمانوں کو اپنے ملی وجود کی بقا کے لئے ساری کوششیں مرکوز کرنی پڑیں گی ـــ اس مرحلہ پر علامہ نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک الگ مملکت کا تصور پیش کیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے خطبہ الہ آباد)۔

جس زمانہ میں اور جس موقع پر اقبال نے ایک ''منظم اسلامی ریاست،، کا تصور پیش کیا، اس کی نزاکت اور تقاضا علامہ کی تجویز کو بے حد اہم بنا دیتا ہے ـــ وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں مسلمان شدید انتشار اور مایوسی کا شکار تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح ہندوستانی سیاسیات سے بد دل ہوکر لندن جابسے تھے۔ اور بقول سید نور احمد : ''مسلم لیگ کا پلیٹ فارم طفلانہ حرکتوں کا میدان بن گیا تھا،،(۲۳) اس مایوس کن صورت میں اقبال کی پیش کردہ اسلامی ریاست کی تجویز، ہندی مسلمانوں کے لئے ایک بڑا سہارا ثابت ہوئی۔

پھر علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور پیش کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ حصول پاکستان کی جہد و جہد کی تائید کی اور حتی المقدور اس جہدوجہد میں عملاً شریک بھی ہوئے۔ یوں تو وہ پہلے بھی لیگ سے وابستہ رہ چکے تھے مگر عمر کے آخری دو برسوں میں انہوں نے قائداعظم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے پنجاب مسلم لیگ کی صدارت قبول کرلی۔ ان کا یہ اقدام اس وقت کی ہندوستانی سیاسیات اور مسلم لیگ کی تاریخ میں زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ وہ ۱۹۳۴ء سے علیل تھے اور طویل بیماری نے ان کی عملی زندگی تقریباً ختم کر دی تھی لیکن اسلامی نشاۃ ثانیہ کی دیرینہ تمنا نے انہیں پراونشیل لیگ کی صدارت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ علامہ کا یہ اقدام مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی غیر معمولی مقبولیت کا سبب بنا اور اقبال کی

شہرت و مقبولیت نے مسلم لیگی کارکنوں کے لیے راہ عمل آسان کردی (۴۲)

مسلمانوں کے مستقبل سے ان کی دلچسپی، خطوط اقبال بنام قائداعظم سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ خطوط اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے اقبال کے ولولوں، امنگوں اور مضطرب جذبوں کا خوب صورت اظہار ہیں ۔ ہندوستان کے مسلم سیاسی رہنماؤں میں انہوں نے محمد علی جناح سے تمام تر توقعات وابستہ کرلی تھیں ۔ جناح صاحب کی قیادت میں مسلمانان ہند نے ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کے ذریعے پاکستان کو اپنی جدوجہد کی منزل مقصود قرار دیا اور سات سال بعد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کی حیثت سے وجود میں آیا ۔

پاکستان اسلامی نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں علامہ اقبال کے خوابوں کی تعبیر ہے ۔ اگرچہ حقیقی تعبیر اس وقت سامنے آئے گی جب پاکستان میں اسلامی قانون اور شریعت محمدیہ کا مکمل اور نتیجہ خیز نفاذ ہوگا اور پاکستان، دنیا میں اسلام کے احیا اور مسلمانوں کی سر بلندی کی واضح علامت بن جائے گا ۔

احیائے اسلام کے لئے علامہ اقبال کی اس جہدوجہد میں اسلام اور ملت اسلامیہ کے لیے ان کے انتہائی خلوص، درد مندی اور دل سوزی کے جذبات بہت نمایاں ہیں ۔ ان کا یہ شعر اسی کیفیت کا آئینہ‌دار ہے :

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی

پھر اپنی ساری مساعی‌میں عشق رسول، اقبال کے لیےسب سے بڑا سہارا ہے۔ آنحضرت کے ایک فرمان کے مطابق غلبہٗ دین کے لیے کوشش ایک مسلمان کے لئےایمان کی بنیادی شرائط میں سے ہے۔ آں حضور کی ذات اور آپ کا اسوہ حسنہ کار زار حیات میں اقبال کیلئے روحانی تائید کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ لکھتے ہیں :

''عام مسلمانوں کی طرح میرا بھی یہ عقیدہ ہے - کہ حضور رسالت مآب کی زیارت خیر و برکت کا باعث ہے - گذشتہ دس پندرہ سال میں کئی لوگوں نے مجھ سے ذکر کیا ہے۔ کہ انھوں نے حضور رسالت مآب کو جلالی رنگ میں یا سپاھیانہ لباس میں خواب میں دیکھا ہے - میرے خیال میں یہ علامت احیائے اسلام کی ہے'' (۲۵)

اس ساری تگ و دو اور جہدوجہد کا مقصد بھی سنت رسول کی پیروی ہے تاکہ اس طرح آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات تک رسائی حاصل ہو اور ان کا قرب نصیب ہو۔ اقبال کے نزدیک ایک مسلمان کی جملہ مساعی کا محور یہی ہونا چاہیے :

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ‌اوست اگر بہ او نہ رسیدی، تمام بولہبی‌است

ان کے خیال میں آں حضور کی ذات‌گرامی سے تعلق خاطر نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی موبن کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ احیائے اسلام اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے کی جانے والی کوششوں اور کاوشوں کا منتہائے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کے قلوب عشق رسول کی سچائی، روشنی‌اور حرارت سے منور ہوکر جگمگا اٹھیں :

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

احیائے اسلام کے لئے علامہ اقبال کے ایمان افروز مشن کی داستان، اقبال کے نام لیواؤں کے لئے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اقبال نے نشاۃ ثانیہ کے لئے عمر بھر جو کاوشیں کیں ابھی ان کی تکمیل باقی ہے وہ آج بھی ہمارے لئے دعاگو ہیں:

عطا اسلاف کا جذب دروں کر　　　شریک زمرہ لا یحزنون کر

اور :

دل مرد مومن میں پھر زندہ کردے　　　وہ بجلی کہ تھی نعرہ لا تذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کردے　　　نگاہ مسلماں کو تلوار کر دے

علامہ اقبال کی یہ دعا دنیا بھر کے مسلمانوں کو ان کا فرض یاد دلا رہی ہے:

فرصت ہے کہاں ، کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

حوالہ جات

۱ - گفتار اقبال — ص ۱۷۸
۲ - کتاب مذکور، ص ۱۹
۳ - مقالات اقبال ص ۵۳
۴ - نقوش، اقبال نمبر دوم ص ۴۰۴
۵ - شذرات فکر اقبال، ص ۱۲۴
۶ - گفتار اقبال، ص ۲۰۵
۷ - شذرات فکر اقبال ، ص ۸۵
۸ - گفتار اقبال، ص ۲۱۳
۹ - حوالہ مذکور
۱۰ - ملفوظات اقبال ص ۳۹
۱۱ - اقبال نامہ، دوم ص ۱۹۳
۱۲ - اقبال نامہ جلد اول : ص ۷۸
۱۳ - انوار اقبال : ص ۱۷۶

۱۴ - حرف اقبال : ص ۲۲۲

۱۵ - کتاب مذکور : ص ۲۶۱

۱۶ - مقالات اقبال : ص ۹۲

۱۷ - اقبال نامہ، جلد دوم : ص ۳۹۳

۱۸ - اقبال نامہ، جلد اول : ص ۳۱۹

۱۹ - حیات انور : ص ۱۶۵

۲۰ - اقبال نامہ، جلد اول : ص ۳۲۰

۲۱ - ذکر اقبال : ص ۲۱۲ - ۲۱۳

۲۲ - نقوش، اقبال نمبر ۱ ص ۴۰۷

۲۳ - مارشل لاء سے مارشل لاء تک : ص ۱۴۱

۲۴ - تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : ''اقبال کے آخری دو سال''

۲۵ - انور اقبال : ص ۲۱۶

کتابیات

۱ - کلیات اقبال فارسی مطبوعہ شیخ غلام علی پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۳ء

۲ - کلیات اقبال اردو مطبوعہ شیخ غلام علی پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۳ء

۳ - گفتار اقبال، مرتبہ : محمد رفیق افضل، ادارہ تحقیقات پاکستان پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۶۹ء

۴ - مقالات اقبال، مرتبہ : عبدالواحد معینی، شیخ محمد اشرف لاہور، ۱۹۶۳ء

۵ - شذرات فکر اقبال، مترجم : ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، بزم اقبال لاہور، ۱۹۷۳ء

۶ - ملفوظات اقبال، مرتبہ : محمود نظامی، لاہور، س - ن

۷ - اقبال نامہ اول، مرتبہ : شیخ عطاءاللہ، شیخ محمد اشرف لاہور، (۱۹۴۵ء)

۸ - اقبال نامه دوم، مرتبہ : شیخ عطا اللہ ،شیخ محمد اشرف لاہور ۱۹۵۱ء

۹ - انوار اقبال، مرتبہ: بشیر احمد ڈار، اقبال اکادمی پاکستان کراچی، ۱۹۶۷ء

۱۰ - حرف اقبال، مترجم : لطیف احمد شیروانی، ایم ثناءاللہ خان اینڈ سنز لاہور، ۱۹۴۷ء

۱۱ - ذکر اقبال : عبدالمجید سالک، بزم اقبال لاہور، ۱۹۵۴ء

۱۲ - اقبال کے آخری دو سال : ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۶۱ء

۱۳ - تجدید و احیائے دین : ابو الاعلی مودودی، لاہور، ۱۹۵۴ء

۱۴ - حیات انور : سید محمد ازہر شاہ قیصر : دیوبند ۱۹۵۵ء

۱۵ - مارشل لاء سے مارشل لاء تک : سید نور احمد، لاہور، ۱۹۷۰ء

۱۶ - نقوش، اقبال نمبر حصہ اول و دوم، لاہور، ۱۹۷۷ء، ۱۹۷۸ء